B.A. Part - I
paper - II
page - I
Section - prose
Date - 05.08.20

Topic - "Arhar Ka Khet" Ka Tanquidi Jayeza

"ارہر کا کھیت" کا تنقیدی جائزہ

اردو ادب میں انشائیہ نگاروں کی صف میں رشید احمد صدیقی کا ایک اہم مقام ہے۔ انہوں نے بہت اچھا اچھا انشائیہ تحریر کیا ہے۔ ان کی ایک کتاب ہے "مضامین رشید"۔ اسی کتاب سے "ارہر کا کھیت" ماخوذ ہے۔ اس مضمون میں رشید احمد صدیقی نے ہندوستان کے پارلیامنٹ سے لے کر لندن کے ہائیڈ پارک کا نقشہ بہت دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے ارہر کے کھیت کو دیہات کا پارلیامنٹ قرار دیا ہے۔ مضمون کے تسلسل میں اتنی چاشنی ہے کہ جب تک مضمون اختتام کو نہ پہنچ جائے۔ چھوڑنے کو دل نہیں کرتا ہے۔ اپنے مضمون کی ابتدا، شعر کے ایک مشہور مصرعہ سے کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں

"وہ گلیاں یاد آتی ہیں جوانی جن میں کھوئی ہے"

پھر دیہات کے ارہر کے کھیت کی اہمیت و افادیت یوں بیان کرتے ہیں۔

"دیہات میں ارہر کے کھیت کو وہی اہمیت حاصل ہے جو ہائیڈ پارک کو لندن میں ہے۔ دیہات اور دیہاتیوں کے سارے مناصب فرائض و فطری حوائج اور معاشرتی حوادث یہیں پیش آتے ہیں۔ ہائیڈ پارک کے خطیب مشہور ہیں۔ لیکن لوگوں کو نہیں معلوم کہ اس کا داغ بیل ہندوستان کے ارہر کے کھیت میں ہی پڑی تھی۔"

رشید احمد صدیقی اس مضمون میں ہندوستان کے دیہات کا نظارہ بہت ہی دلکش انداز میں کھینچے ہیں۔ اور اس دیہات میں لگے ارہر کے کھیت کا نقشہ یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے قاری سیدھے دیہات میں پہنچ کر ارہر کے کھیت کے قریب لطف اندوز ہو رہا ہو۔ ملاحظہ ہو یہ اقتباس۔

"وہ دیکھئے "گاؤں" کے قریب والے کنویں کے سامنے ایک ارہر کا کھیت کی سمت گیا ہے۔ ایک طرف گڑھا سا ہے۔ جس میں کھاد پڑی ہوئی ہے دوسری طرف ایک بیری کا کھوکھلا ہرا بھرا درخت ہے جیسے کوئی کہنہ سالی و کہنگی دیدہ کرم رسیدہ شعبدہ یافتہ۔ جس میں ایک آدھ شوخ زندہ دل بزرگ اس طور پر بیٹھے ہوئے گرد و پیش کا جائزہ لے رہے ہیں۔"

اس مضمون میں آگے چل کر "ارہر کے کھیت" کا عجیب دلکش نظارہ اس طرح پیش کیے ہیں کہ یہ اقتباس پڑھنے کے بعد کوئی قاری چاہے کتنا بھی غم کا مارا ہو، ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ملاحظہ ہو یہ اقتباس

"ناظرین یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ لشکر کس مہم پر روانہ ہوا تھا۔

کہاں وہ سب کچھ ہوتا جس کے لئے لوگ چوروں مار کھاتے ہیں۔

عشق و عاشقی، شعر و شاعری اور شعر و شراب نیند اور اسی طرح منچلے نوجوانوں سے متعلق رشید احمد صدیقی یوں رقم طراز ہیں:

"یہیں سے شاعری کا اختتام اور شعر و شراب نیند کا آغاز ہوتا ہے۔ یہیں حفظانِ صحت کے جراثیم پلتے ہیں۔ یہاں آنے پر معلوم ہوتا کہ بعض منچلے اور مظلوم پہلے سے پہنچ چکے ہیں۔ کسی کا آرام جاتا اور مونس خلب بجھ گیا ہے۔ وہ اس کے لئے افتاں و خیزاں یہاں تک چلا آتا ہے۔"

امرہٹ کے کھیت میں اور کیا کیا ہوتا ہے اس بابت موصوف ایک ہی دلچسپ انداز میں ہندوستانی رہنماؤں کی کھینچائی کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

"امرہٹ کا کھیت دیہات کی زنانہ پارلیامنٹ ہے کونسل اور اسمبلی کا عہد یہیں سے ہو گیا تھا۔ گاؤں کا چھوٹا بڑا واقعہ سب یہاں معرضِ بحث میں آتا ہے۔ فلاں کی شادی کب اور کہاں ہو رہی ہے؟ داماد کیوں آئے اور کیا لے کر گئے۔ پٹواری کی بہو نے اس سال کون کون سے زیور بنوائے ہیں۔ مرکھنا کے بچہ کیوں نہیں پیدا ہوتا ہے اور سکھیا کو حمل کیسے ٹھہر گیا؟ ایک عالیجاہ حضرت کا شہر کی بچھیا تھی دوسری بولی پہلوانی کی بچھیا ہو چکی ہے اب کے بچھوا ہوگا۔"

ہم پروفیسر حضرات بالخصوص اردو کے پروفیسر کی حالت زار پر تنقید کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"وہ اسی اثنا میں ایک کوا سامنے سے گزرا۔ اور ہم نے سمجھ لیا کہ ہندی "السعی" ڈانٹ پلائی اور آمادہ "نقضِ امن" ہوئے گویا اردو پڑھانے کے ساتھ ساتھ پو ہنوز رسی نئے ہیں ہم کو کتوں کے استعمال کے لئے تعینات کر دیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد کالج کے احاطہ میں انہیں ایک باوقار بزرگ حاجی صاحب سے نظر میں دو چار ہونے اور علیک سلیک کے بعد باہم گویا ہوئے۔ حاجی صاحب سے متعلق رشید احمد صدیقی یوں فرماتے ہیں:

"حاجی صاحب کا عربی نام "بلغ العلیٰ" اور فارسی "جریب زیتونی" ہے۔ کچھ لوگ "سابق دیوانہ سمجھ دار" اور حال "ابو المجنون" کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا ایک بزرگ "البزازیہ" پر زور لگائے رہے۔ ان دنوں "قانونِ مسعودی" کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد معلوم نہیں اب جنون کی کیا حالت ہے۔"

خلاصہ یہ کہ رشید احمد صدیقی کا یہ انشائیہ "امرہٹ کا کھیت" کا ایک کامیاب انشائیہ ہے۔ اور اردو انشائیہ میں ایک اہم اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔